The Journal Of Contemporary Social Sciences

www.tjcss.org (TJCSS)

محمد احمد اعوان

پی۔ایچ۔ڈی اسکالر اُردو، یورسٹی آف سندھ، جام شورو

عبدالخالق

ایم۔فل اُردو، یونیورسٹی آف سندھ، جام شورو

جگر مراد آبادی کے فکر وفن کا تجزیاتی مطالعہ

Muhammad Ahmed Awan
Ph. D Scholar Urdu, University of Sindh, Jamshoro
Abdul Khalique
M. Phil. Urdu, University of Sindh, Jamshoro

An Analytical Study of the Thought and Art of Jigar Murad Aabadi

Jigar Murad Aabadi has written poetry about beauty and love, believed that people and life are the most important things in the universe. In his poetry, he talked about the cycle of life and love and how literature and life are connected. He thought that all languages and subjects, like literature and science, aim to make society happy. Jigar believed that literature should bring peace, justice, and happiness to people's hearts and help bring light to the world. Jigar strongly realized the power of love. When he was immersed in the poetry of beauty, love, wine and youth, even at that time he was not unconsciously but consciously in touch with the beauty of the universe and the impressions of life and devotion. It should be said that if the hand of nature decorated the crown of fame and fame on the head of Jigar, there would be no exaggeration.

Key words: Jigar, Shola e tor, Aatish e gul, Tugray, Dagh e Jigar.

کلیدی الفاظ: جگر، شعلۂ طور، آتشِ گل، طغرے، داغِ جگر۔

جگر مراد آبادی (۱۸۹۸۔۱۹۶۰) اردو شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔انھوں نے اردو شاعری کی آب یاری اس وقت کی جب اردو غزل کی روایت دم توڑ رہی تھی۔ گویا انھوں نے جدید اردو شاعری کا رشتہ کلاسیکل شاعری سے جوڑا۔ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ جگر مراد آبادی کی شاعری جدت اور روایت کا حسین امتزاج ہے۔انھوں نے اپنی شاعری میں عشقیہ موضوعات کے ساتھ ساتھ تصوف کے تصورات کو بھی ایک نئے انداز سے برتا ہے۔ ''جگر کے کلام میں حسن و عشق کے سلسلے میں وہ تمام رجحانات ملتے ہیں جو اردو شاعری میں رائج رہے ہیں۔ یعنی محبوب سے وصل کی خواہش کا اظہار کرنا۔اس کی بے وفائی سے نالاں ہونا اور اس پر طنز بھی کرنا۔''(1)

جگر نے اردو شاعری کو جدت عطا کرنے کے ساتھ ساتھ متعدد زبانوں کے الفاظ و محاورات، تراکیب، تلمیحات، اساطیر وغیر ہم کو اس طرح استعمال کیا جس سے ایک طرف تو ہندوستانی تہذیب اجا گر ہوتی ہے تو دوسری طرف فارسی، عربی، سنسکرت، پالی وغیر ہم کی لفظیات کو کمالِ فن سے برتا ہے۔اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے الفاظ کا استعمال جگر کے لسانی شعور کا پتہ دیتا ہے۔ ''جگر نے اس ضمن میں محبوب سے گفتگو کرتے ہوئے زبان کی صفائی اور الفاظ کے جوہر بکھیرے ہیں۔''(2) اس لیے جگر کی شاعری عشقیہ، تصوفانہ، لسانی، تہذیبی، تاریخی اور فکری خصوصیات کے حامل ہے۔ان کی شاعری میں رسم و رواج اور ثقافت کے ساتھ ساتھ مشرقی انداز اور اقدار کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا ہے۔

جگر نے شاعری برائے حسن و عشق کی ہے۔ان کی روایت میں انسان اور زندگی تخلیق کائنات کا محور و مرکز اور مقصد ہے۔ جگر کی غزلوں میں زندگی ملتی ہے۔ جگر کی شاعری میں زبان کی فصاحت و بلاغت نمایاں ہے اور انھوں نے الفاظ و محاورات کو بڑی خوبی سے اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ان کی شاعری کا مرکز و محور محبت اور صرف محبت ہے۔وہ کہتے ہیں:

آج نہ جانے راز یہ کیا ہے
ہجر کی رات اور اتنی روشن
تجھ سا حسیں اور خون محبت

وہم ہے شاید سرخیِ دامن
ان کا جو فرض ہے وہ اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

جگر مرادآبادی کی شاعری میں ترنم، آہنگ اور موسیقی بدرجہ اتم موجود ہے۔ ''جگر کی غزلوں میں ترنم اور موسیقی کا ایک خاص مقام ہے۔ ان کی نغمہ سرائی روحِ انسانی کا جزوِ لاینفک ہے۔ جو اُن کے اشعار کو تاثر و تاثیر کا طلسم بنا دیتی ہے۔''(3) وہ کبھی بھی عصرِ حاضر سے بے خبر نہیں رہے اور غزلوں میں جابجا اس دور کے نقوش ملتے ہیں:

آدمی آدمی سے ملتا ہے
دل مگر کم کسی سے ملتا ہے
جہلِ خرد نے دن یہ دکھائے
گھٹ گئے انساں بڑھ گئے سائے
گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز
کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں
کانٹوں کا بھی حق ہے کچھ آخر
کون چھڑائے اپنا دامن

جگر کے تین شعری مجموعے ان کی زندگی میں ہی شایع ہوے۔ پہلا شعری مجموعہ 1922ء میں ''داغِ جگر'' کے نام سے شایع ہوا جسے اعظم گڑھ کے احسان احمد وکیل نے مرتب کر کے شایع کیا تھا۔ اس پر مولانا عبد السلام ندوی نے تعارفی تبصرہ لکھا تھا۔ دوسرا شعری مجموعہ ''شعلۂ طور'' علی گڑھ سے 1932ء میں شایع ہوا۔ شعلۂ طور کے سرورق پر یہ شعر ثبت ہے:

ہجومِ تجلی سے معمور ہو کر
نظر رہ گئی شعلۂ طور ہو کر

ڈھاکہ سے جگر کا تیسرا مجموعہ ''آتشِ گل'' 1954ء میں شایع ہوا۔ ''جگر صاحب کے شعر کہنے کا طریقہ بھی عجیب تھا۔ وہ شروع میں کاغذ پر بسم اللہ بہت خوب صورت طغرے کی شکل میں بنے لگاتے تھے۔ پھر اس کے بعد کوئی بیل بوٹا بنانے لگتے تھے۔ وہ کبھی کلی بناتے اور اس پھول یا کلی سے وہ ایک لکیر کھینچ کر اوپر کی طرف کوئی شعر لکھ دیتے تھے۔ وہ شعر کہتے وقت گنگنایا بھی کرتے تھے۔''(4)

ان کی غزلوں میں عشق ایک آتش ہے جو ارد گرد کے ماحول کو گرم اور روشن رکھتی ہے۔ عشق جگر کے لیے امید کی کرن ہے۔ ذیل کی غزل ان کی مکمل شاعری کا احاطہ کرنے کے لیے کافی ہے:

عشق میں لاجواب ہیں ہم لوگ
ماہتاب، آفتاب ہیں ہم لوگ
گرچہ اہلِ شراب ہیں ہم لوگ
شام سے آ گئے جو پینے پر،
صبح تک آفتاب ہیں ہم لوگ
ہم کو یہ دعوائے عشق بازی ہے
مستحقِ عذاب ہیں ہم لوگ
ناز کرتی ہے، خانہ ویرانی
ایسے خانۂ خراب ہیں ہم لوگ
ہم نہیں جانتے، خزاں کیا ہے

کشتگانِ شباب ہیں ہم لوگ

تو ہمارا جواب ہے تنہا

اور تیرا جواب ہیں ہم لوگ

تو ہے دریائے حسن و محبوبی

شکلِ موج و حباب ہیں ہم لوگ

گو سراپا حجاب ہیں پھر بھی

تیرے رخ کی نقاب ہیں ہم لوگ

خوب ہم جانتے ہیں اپنی قدر

تیرے ناکامیاب ہیں ہم لوگ

ہم سے غفلت نہ ہو تو پھر کیا ہو

رہرِ دِ ملکِ خواب ہیں ہم لوگ

جانتا بھی ہے اس کو تو واعظ

جس کے مست و خراب ہیں ہم لوگ

ہم پہ نازل ہوا صحیفۂ عشق

صاحبانِ کتاب ہیں ہم لوگ

جگر کی شاعری کا اگر فنی و فکری تجزیہ کیا جائے تو ان کی سخن وری کے دو ادوار ہیں۔ شراب و کباب کا پہلا دور ہے۔ یہ دور عشق و مستی سے عبارت ہے جب کہ دوسرا دور صوفیانہ شاعری کا ہے۔ ’’جگر اپنے اشعار کے مطابق موزوں الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں لیکن بعض دفعہ خیالات کی ادائیگی کو الفاظ کے استعمال پر فوقیت دیتے ہیں۔ اصل میں شاعری میں نہ تو الفاظ ہی سب کچھ ہوتے ہیں اور نہ صرف معانی، بلکہ ان دونوں کا امتزاج ضروری ہے۔ جگر کے یہاں فکر و فن ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں۔‘‘(5)

ان کا خیال تھا کہ:

اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے

تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی کہاں گزرے

جگر نے تقسیم ہند و پاک کے سانحے کو سماجی اور خارجی حقائق کی سچی تصویر مانا اور اسے غزل کے مزاج و فن سے ہم آہنگ کر کے تاریخ کا ایک حصہ بنا دیا:

کہاں کے لالہ و گل کیا بہار توبہ شکن

کھلے ہوئے ہیں دلوں کی جراحتوں کے چمن

صیاد پر ظاہر یہ بھی راز نہیں ہے

پرواز اسیر پر پرواز نہیں ہے

چمن ہی نہیں جس کے گوشے گوشے میں

کہیں بہار نہ آئے کہیں بہار آئے

’’ جگر کی زندگی نہایت رنگین اور پر کیف رہی۔ اُن کی جوانی مستانی تھی ابتدا میں وہ گرفتارِ محبوبِ ارضی رہے اور عشق و محبت کے عالم میں لطف و حزن سے دوچار ہوئے۔‘‘(6) اس کے علاوہ وہ تصوف پر بھی شاعری کرتے تھے۔ آخری عمر میں دین کی طرف زیادہ راغب ہو گئے۔

جگر صاحب کا اصل میدان غزل تھا۔ اسی میدان کے شاہ سوار تھے لیکن شاید بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ جگر نے کچھ نعتیں بھی کہیں۔ شراب نوشی ترک کرنے کے بعد انھوں نے نبی مہربان ﷺ سے عقیدت میں ڈوبے ہوئے اشعار بھی کہے:

اک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ

ہاں اک نظرِ رحمت سلطانِ مدینہ

جگر مراد آبادی نے اُردو شاعری کو وہ نیا رُخ فراہم کیا جس سے اُردو شاعری پروان چلی اور بعد کے آنے والے شعرا نے اس سے استفادہ کیا۔ مذکورہ شاعری کے ذریعے نہ صرف جگر نے برِصغیر کی تہذیب و تمدن کو محفوظ کیا بلکہ مختلف زبانوں کے لفظوں کو اپنے اشعار میں استعمال کرتے ہوئے اُردو شاعری کو جدت عطا کی۔ لیکن ''جگر صاحب کی شاعری کے سانچے وہی ہیں جو صدیوں سے فارسی اور اردو غزل کے سانچے ہیں''(7) جگر کی شاعری تصوف کی تشریح و اشاعت میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے جسے پڑھ کر ایک مخصوص دور کے تاریخی، تہذیبی، فکری اور لسانی شعور سے آگاہی ہوتی ہے۔ وہ اُردو شاعری کی توسیع و ترویج میں روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، ''جگر مراد آبادی''، رحمانی پبلشرز، مالیگاؤں اسلام پورہ، 2014ء، ص10۔

(2) ایضاً، ص10۔

(3) ایضاً، ص15۔

(4) عزیز احمد عزیز، ''مرآتِ جگر''، نیشنل سوشل آرگنائزیشن، مراد آباد، 2001ء، ص59۔

(5) ایضاً، ص110۔

(6) ایضاً، ص118۔

(7) سجاد ظہیر، ''کلیاتِ جگر''، لبرٹی پبلشر اینڈ پرنٹر، حیدر آباد دکن، 1958ء، ص15۔